QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اک معدوم کہانی میں معدومیت کا مطالعہ

Sobia Bibi
M.Phil Scholar, Department of Urdu, GCWUF
Dr. Rukhsana Bibi (Correspondance author)
Assistant Professor, Department of Urdu, GCWUF

Abstract:
Seemin Kiran is a renowned Urdu short story writer and novelist, who has achieved a prominent place in Urdu literature due to her unique style and deep intellectual themes. Her writings reflect feminine consciousness, emotional psychology, social issues and existential questions. Her novels present women's issues, their self-esteem, freedom and protest against social oppression with great sensitivity. Her style is symbolic and metaphorical. She has the talent to convey profound things in simple language. She has written on topics like love, loneliness, time, destiny, social constraints, spiritual evolution, and disappearing civilizations, cultures, traditions, moral values, customs, and traditions. This article is about some favorite aspects, wonderful style and elements of the aspects of extinction in Simin Karan's novel.

Keywords: *Seemin Kiran, Urdu novel, Feminine consciousness, Symbolism, Social oppression, Existential themes, Women's freedom, Psychological depth, Disappearing civilizations, Cultural decline*

کلیدی الفاظ : سیمین کرن، اردوناول، نسائی شعور، علامتی اسلوب، سماجی جبر، وجودی سوالات، عورت کی آزادی، نفسیاتی گہرائی، معدوم تہذیبیں، ثقافتی زوال

معدومیت کا مطلب ہے عدم میں چلے جانا، مٹ جانا، ختم ہو جانا، یا وجود کا نہ رہنا۔ یہ لفظ ''عدم'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے ''نہ ہونا''۔

معدومیت ایک ایسی حالت ہے جہاں کسی چیز کا وجود ختم ہو چکا ہو یا وہ وجود میں ہی نہ آئی ہو۔

جب انسان اپنی شناخت یا وجود کا احساس کھو دے جب کوئی قوم یا تہذیب اپنے ماضی کو بھلا دے جب روایات اور زبانیں دم توڑنے لگیں۔

سیمیں کرن کے ناول ''اِک معدوم کہانی'' میں معدومیت کا موضوع علامتی اور استعارائی سطح پر استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ ناول کی خاص جاندار نوع کی معدومیت کے بارے میں نہیں ہے لیکن اس میں انسانی رشتوں، ثقافتی اقدار اور ایک مخصوص طرزِ زندگی کے بتدریج ختم کے عمل کے معدومیت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ناول میں جو پرانی نسل اور ان کی روایات ہیں وہ نئی نسل کی بے حسی اور بدلتے ہوئے سماجی و معاشی حالات کے باعث دھیرے دھیرے ختم ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان اقدار اور رشتوں کا زوال جو کبھی مضبوط اور اہم تھے معدومیت کے اس تصور کو اُجاگر کرتا ہے کہ کس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی قیمتی چیزیں

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں اور بالآخر قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔ ’’اِک معدوم کہانی‘‘ میں معدومیت محض حیاتیاتی اصطلاح نہیں بلکہ ایک وسیع تر سماجی اور ثقافتی سطح پر معدومیت اور زوال کا نوحہ ہے۔ معدومیت صرف جانداروں تک محدود نہیں بلکہ انسانی تجربے کے مختلف پہلوؤں پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔

سیمیں کرن کا یہ ناول اُن کے فکر و فن کا سچا ترجمان ہے۔ سیمیں کے مطالعہ کی گہرائی تجربہ کی وسعت بیان کی خوبی و نفاست، لہجے کی نرمی و سادگی اور زبان کی پاکیزگی ناول میں جابجا نظر آتی ہے۔ بین المذاہب، رواداری اور آپس کے بھائی چارگی قدیم لازوال اقدار کی رخصتی کا غم اور علم و ہنر کی بے قدری کا افسوس ناول کی اہم خصوصیات ہیں۔ گویا ’’اِک معدوم کہانی میں ناول نگار نے تاریخ کے ایک روشن دور کو زوال پذیر ہوتے ہوئے دکھاتا ہے۔ ناول میں مقامی تہذیب کی عکاسی کردار نگاری کا حسین امتزاج، حقیقت نگاری، نفسیاتی مسائل کا بیان اور منظر کشی کے خوبصورت نمونے سیمیں کرن کی فکری و فنی مہارتوں کی واضح دلیل ہیں۔

> ’’ہم لوگ اسی اور نوے کی دہائیوں کے لوگ جو اپنا بچپن اور جوانی اس عہد میں گزار کر اپنی ادھیڑ عمری اپنا بڑھاپا ہے اس ڈیجیٹل دنیا کو دیکھ رہے ہیں۔ جہاں ایک بٹن کے دبانے سے سب کچھ بدل رہا ہے۔ بظاہر ہم نے اس کمپیوٹر عہد کو قبول کر کے خود کو اس میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے مگر ہم اب بھی انہیں اخلاقی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے لوگ ہیں جن کی تربیت و مزاج انہی قدروں میں پروان چڑھیں ہیں۔ جب دُنیا مکینکل عہد پر دستک دے رہی تھی تب بھی دنیا بدل رہی تھی لیکن ہم پرانی قدروں کے ساتھ پیوستہ رہے۔‘‘[۱]

ہم اسی معدوم عہد کا کم یاب ایڈیشن میں ہمارے بعد میں ہم سے لوگ نہیں آئیں گے جنہوں نے بیک وقت دو عہدوں کو چنا ہو۔ تاریخ ہمیشہ ایک مسلسل عمل رہی ہے۔ جس میں تہذیبیں اُبھرتی اور معدوم ہوتی رہی ہیں۔ سیمیں کرن کا ناول ’’اِک معدوم کہانی‘‘ اسی تاریخی تسلسل کو بنیاد بنا کر مختلف تہذیبوں کے زوال اور جدید دُنیا میں مدغم ہونے کے سفر کو بیان کرتا ہے یہ محض ایک فکشنل بیانیہ نہیں ہے بلکہ ایک فکری تحقیق بھی ہے۔ جو ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری مکالمہ ترتیب دیتی ہے۔ تاریخی اور سماجی ارتقا کو ناول میں اس طرح پیش کیا گیا کہ یہ محض کہانی نہیں بلکہ ایک تہذیبی ثقافتی اور فکری سفر کا حصہ بنتی جاتی ہے۔ ناول میں دو مرکزی مقامات امریکہ اور فیصل آباد (لائل پور) کی وہ شناخت ہے جو برطانوی راج کے دوران ایک منصوبہ بندی اور صنعتی مرکز کے طور پر اُبھری مگر وقت کے ساتھ جدیدیت کے زیرِ اثر اپنی اصل پہچان کھوتی جا رہی ہے۔ سیمیں کرن نے اس ناول میں معدومیت کے ایک ہمہ جہتی تصور کو پیش کیا ہے۔ جو ثقافتی زوال تک محدود نہیں بلکہ تاریخی، سماجی اور نفسیاتی سطح پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ سعید ایڈورڈ کے مطابق:

> ’’تاریخ کا ہر بیانیہ طاقت کے توازن سے جڑا ہوتا ہے اور اس میں وہی آواز غالب ہوتی ہے جو سیاسی اور سماجی طور پر طاقتور ہو۔‘‘[۲]

تاریخی بیانیہ محض غیر جانبدار اور حقائق کا مجموعہ نہیں ہوتا ہے۔

ناول میں فیصل آباد جو برطانوی راج کے دوران ایک زرعی مرکز کے طور پر وجود میں آیا فیصل آباد تاریخی ثقافتی اور سماجی سطح پر ایک مخصوص شناخت کا حامل رہا ہے۔ برطانوی راج کے دوران اس کی منصوبہ بندی کی گئی اور اسے ایک صنعتی و زرعی مرکز کے طور پر تیار کیا گیا یہ شہر اپنے تاریخی بازاروں اور مخصوص ثقافتی تقریبات اور قدیم روایات کی وجہ سے اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے مگر جدیدیت اور عالمی اثرات نے اُس کی شناخت کو دھندلا دیا۔ ناول میں فیصل آباد کی معدوم ہوتی تہذیب اور ثقافت کو ایک گہرے المیے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فیصل آباد کے پرانے بازار جو کسی زمانے میں روایتی دستکاریوں اور مقامی کاروبار کے مراکز ہوا کرتے تھے اب بڑے بڑے تجارتی پلازوں اور برانڈ اسٹورز میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس بارے میں عائشہ خاں لکھتی ہیں:

"جہاں کبھی ہاتھ سے بنی شالیں، مٹی کے برتن اور دیسی کھانے بیچے جاتے تھے آج وہاں مشینی کپڑے، چمچماتے شیشے اور مغربی فاسٹ فوڈ کے برانڈ نے جگہ لے لی ہے۔"(۳)

دستکاری اور مقامی صنعتوں کی جگہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بڑے بڑے کاروباری ادارے لے رہیں ہیں جس سے مقامی ہنر مند بے روزگار ہو سکتے ہیں۔ مغربی اثر و رسوخ کے باعث مقامی ثقافت اور اقدار معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ صارفیت پسندی بڑھ رہی ہے۔ جہاں برانڈز اور چمک دمک زیادہ اہم ہو گئے ہیں۔ یہی صورتِ حال فیصل آباد کی قدیم تقریبات کے ساتھ بھی پیش آئی ہے۔ بسنت جو کبھی پورے شہر کے لیے ایک تہوار تھا۔ حکومتی پابندیوں اور جدید تقاضوں کے باعث تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ ریاض احمد لکھتے ہیں:

"ہوا میں اڑتی پتنگیں گلیوں میں گونجتی خوشیوں بھری آوازیں اور چھتوں پر سجنے والی محفلیں۔۔۔ یہ سب ایک گم شدہ خواب کی مانند ہیں۔"(۴)

فیصل آباد میں پرانی نسل جو پنجابی ثقافت، زبان اور روایات کی امین تھی۔ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے اور نئی نسل اپنی زبان اور ثقافت سے بیگانہ ہو رہی ہے۔ یاسر کریم افسوس لکھتے ہیں:

"یہی محلے جہاں بزرگ شام کو بیٹھ کر قصے سنایا کرتے تھے۔ اب ہر کوئی اپنے موبائل میں گم ہے جیسے وقت کی گرد نے سب کچھ دبا دیا ہو۔"(۵)

ناول میں امریکہ کی معدوم ہوتی تہذیب کا بیان بھی اسی شدت سے کیا گیا ہے۔ امریکہ میں مقامی قبائل جنھیں نیٹو امریکنز کہا جاتا ہے۔ کبھی اپنے مخصوص ثقافتی نظام، روحانی تصورات اور زمین سے گہرے تعلق کے باعث پہچانے جاتے تھے مگر یورپی آبادکاروں کی آمد کے بعد ان کی ثقافت کو یا تو ختم کر دیا گیا، یا اسے زبردستی جدیدیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ سیمیں کرن نے ناول میں یہ دکھایا ہے کہ امریکہ میں مقامی قبائل کی دانش جو فطرت سے ہم آہنگ تھی کس طرح نو آبادیاتی اثرات کے تحت ختم کر دی گئی۔ جارج سمتھ لکھتے ہیں:

"پر وہ لوگ تھے جو درختوں سے بات کرتے، دریاؤں کی سرگوشیاں سنتے مگر ان کی زمینیں چھین لی گئیں۔ ان کی زبانوں کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا اور ان کی عبادت کو جاہلانہ کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا۔"(۶)

ان کی عبادات کو جاہلانہ کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ سامراجی طاقتوں نے مقامی مذاہب اور عبادات کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ انھیں غیر مہذب دقیانوسی اور جاہلانہ قرار دے کر ان کے پیروکاروں کو اپنے عقائد ترک کرنے پر مجبور کیا۔ شمالی اور مغربی امریکہ میں کیتھولک مشنریوں نے مقامی مذاہب کو ختم کر کے انھیں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور ان کی صوفیانہ روایات کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی امریکہ میں صنعتی ترقی اور شہری پھیلاؤ نے مقامی امریکیوں کو مزید حاشیے پر دھکیل دیا۔ رابرٹ جانس لکھتے ہیں:

"پہلے وہ زمین کے مالک تھے اب وہ ریزرویشنز میں مقید ہیں۔ جدید عمارتوں کے سائے میں ان کے روایتی خیمے ان کے رسم و رواج اور ان کی کہانیاں کہیں کھو گئیں۔"(۷)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

جدید عمارتوں کے سائے میں ان کے روایتی خیمے ان کے رسم ورواج اور ان کی کہانیاں کہیں کھو گئی۔ سیمیں کرن نے ناول میں معدومیت کو صرف تاریخی یا ثقافتی سطح پر نہیں بلکہ نفسیاتی اور فلسفیانہ سطح پر بھی بیان کیا ہے۔ معدومیت صرف وہ نہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے واقع ہوتی ہے بلکہ وہ بھی جو انسانی ذہن، شناخت اور نظریات میں سرایت کر جاتی ہے۔ فریڈرک نطشے کے مطابق:

"جب کوئی قوم اپنی روایات اور ماضی کو فراموش کر دیتی ہے تو وہ اپنی اصل شناخت بھی کھو دیتی ہے۔"(۸)

جدید دُنیا میں نہ صرف تہذیبیں معدوم ہو رہی ہیں بلکہ افراد کی یادداشت بھی تاریخی کے اس عمل کا شکار ہو رہی ہے۔ ناول میں ایک مقام پر روحا جو مقاضی اور حال کے درمیان جھول رہی ہوتی ہے۔ سیمیں کرن لکھتی ہیں:

"کیا یادیں بھی معدوم ہو سکتی ہیں؟ کیا ہم وہ سب کچھ بھول سکتے ہیں جو کبھی ہمارا حصہ تھا؟ یا پھر یہ سب کہیں نہ کہیں محفوظ رہتا ہے۔ ہماری جلد ہمارے لہو اور ہمارے خوابوں میں۔"(۹)

کیا یادیں واقعی ختم ہو سکتی ہیں یا وہ کسی نہ کسی شکل میں ہمارے ساتھ رہتی ہیں کیا یادیں بھی معدوم ہو سکتی ہیں؟ "معدوم" کا لفظ نہایت گہری معلومات رکھتا ہے۔ عام طور پر معدومیت کا مطلب کسی چیز کا مکمل طور پر ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ جیسے کوئی ناپسند نسل یا تباہ شدہ تہذیب۔ سیمیں کرن کا ناول "ایک معدوم کہانی" بھی ایسی ہی اِک صدا ہے۔ جو معدوم ہوتے خوابوں تحلیل ہوتی یادوں اور بے نام وجودوں کی نوحہ گری کرتا ہے۔ اس ناول میں معدومیت صرف ایک کیفیت نہیں بلکہ ایک مکمل ضفا، ایک مستقل کیفیت زیست ہے جو ہر سطر میں سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ "اک معدوم کہانی" کے کردار وہ مسافر ہیں جو ماضی کے کھنڈرات میں اپنے وجود کی کرچیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے چہرے دھندے ہیں، آنکھوں میں خوابوں کی راکھ اڑتی ہے اور دلوں میں خواہشوں کی قبریں آباد ہیں۔ کبھی کبھی یوں لگا ہے جیسے ہم خود اپنی کہانی سے مٹتے جا رہے ہیں الفاظ تو باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر ان میں سانس لینے والی ذات ریزہ ریزہ ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ کائنات ایک ایسے خواب کا منظر پیش کرتی ہے جو آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہا ہے اور قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ خود بھی اس تحلیل کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ وقت نے ہمیں یوں نگلا ہے کہ اب ہم خود کو آئینے میں بھی نہیں پہچانتے جو تھے، وہ کہیں چھوٹ گیا اور جو ہیں وہ محض ایک دھندلا سا عکس ہے۔ آرنلڈ ٹوائن بی (Arnold Toynbee) کہتے ہیں:

"تہذیبیں اس وقت مرتی ہیں جب وہ اپنی بڑوں سے کٹ جاتی ہیں اور اپنی روایات کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ معدومیت کا سب سے نمایاں مظہر نئی نسل کی اپنی روایتی، ثقافتی اور سماجی اصولوں سے دوری ہے ماضی میں نوجوان نسل بزرگوں کے تجربات اور تعلیمات سے سیکھتی تھی۔ مگر آج کل مغربی ثقافت اور ڈیجیٹل میڈیا کی یلغار نے ان کے رویوں میں بڑی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اب نوجوانوں کی دلچسپیاں موبائل فون، سوشل میڈیا اور جدید طرزِ زندگی میں زیادہ ہیں جبکہ روایتی اقدار اور مقامی ثقافت میں ان کی دلچسپی کم ہو چکی ہے۔ عورت کی معدومیت کا تصور ایک پیچیدہ اور کثیر الجہتی موضوع ہے۔ جو سماجی، ثقافتی، مذہبی اور نفسیاتی پہلوؤں پر محیط ہے۔ دنیا بھر میں خواتین مختلف ادوار میں اپنی شناخت حقوق اور وجود کی جنگ، سماجی ناہمواریوں اور مذہبی و ثقافتی (Patriarchy) لڑتی آئی ہیں۔ مردانہ غصے پر مبنی نظام اور شاہی نظریات نے خواتین کے کردار کو محدود کر دیا جس کے نتیجے میں وہ مختلف صورتوں میں معدومیت کا شکار ہوئی۔ "ایک معدوم کہانی" میں عورت کا کردار علامت بن جاتا ہے وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ اجتماعی نسوانی تجربے کی نمائندہ ہے۔ اس کی خاموشی پوری تاریخ کی

بازگشت ہے۔ سماجی جبر اور خودی کی تلاش کو نفاست سے بیان کیا ہے عورت دب کر جینے والی ہستی نہیں بلکہ اپنے اندر ایک بغاوت رکھتی ہے۔ وہ روایتی عورت کی طرح حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتی بلکہ اپنی شناخت کی تلاش میں سرگردان رہتی ہے۔"(۱۰)

"اِک معدوم کہانی" اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں مصنفہ نے معدومیت، قدامت اور دانش کا ذکر کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر سمیرا اکبر:

"نئی اور پرانی تہذیب کی کشمکش کئی تخلیق کاروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اُردو ناول میں ڈپٹی نذیر احمد کے ابن الوقت سے لیکر عزیز احمد کے ناول "گریز" اور سرحد پار سید محمد اشرف کے ناول "آخری سواریاں" تک یہ موضوع اردو ناول کا محبوب موضوع رہا ہے۔ سیمیں کرن کا "ایک معدوم کہانی" مذکورہ بالا ناولوں سے تھوڑا مختلف یوں ہے کہ یہ ناول معدومیت، قدامت اور دانش کی تکون کے گرد گھومتا ہے۔"(11)

ناول میں معدومیت کے مختلف رنگ ہیں۔ اسی، نوے کی دہائی کا صنعتی عہد معدوم ہو کر ڈیجیٹل عہد میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ناول کا کینوس بہت وسیع ہے۔ کیونکہ اس میں نوید چودھری، وسیم اور اسفند کے حوالے سے تین نسلوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ سیمیں کرن آج کے منظر نامے میں حقوق نسواں کی نمایاں علمبردار ہیں انھوں نے اپنے "نان فکشن" میں فیمیزم کا پرچم بلند کیا۔

جمیل احمد عدیل "اک معدوم کہانی" کی معدومیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اُنھوں نے سیاست، سماجی قحبیوں مذہب / مابعد الطبیعات، مابعد نو آبادیاتی معاملات، موسیقی، ادب، ثقافتی مظاہر، طعام ولباس کی جزئیات، جنس سمیت زیست کی متعدد طرفوں سے خوب آگہی حاصل کی ہوئی ہے۔ اس پر مستزاد وہ حسائیت جو "حسیت" کا حصہ ہونے پر ایسا جھکاؤ ظاہر کرے۔۔۔ یہ سب انھیں میسر ہے۔"(12)

"اِک معدوم کہانی" سیمیں کرن کا اہم ناول ہے جس کی وکیل امریکہ اور فیصل آباد ہے۔ انھوں نے معدومیت کی کہانی کو ایک فکشن کی تکنیک میں جدت اور اسلوب کی شگفتگی سے ہمکنار کیا ہے۔ "اِک معدوم کہانی" محض ایک خارجی کہانی نہیں بلکہ ایک اندرونی سفر ہے۔ روح کے زخموں یادوں کی دھند اور وقت کی بے رحمی کا ایک فکری اور جذباتی جائزہ ہے۔ سیمیں کرن نے انسانی وجود کی تنہائی، بے معنویت اور شکستہ خوابوں کو نہایت حساس اور عمیق انداز میں پیش کیا ہے۔ زبان و بیان میں ایسی نرمی اور موسیقیت ہے کہ ہر منظر ایک نظم سا لگتا ہے۔ استعارے، علامتیں اور مبہم فضائیں اس کہانی کو ایک خوابیدہ مگر بوجھل کیفیت عطا کرتی ہیں۔

حوالہ جات

1۔ سیمیں کرن، اک معدوم کہانی، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۳ء، ص ۳۳۹

2۔ ایڈورڈ سعید، مشرقیت، نیویارک: پنتھوں کتب، ۱۹۷۸ء، ص ۲۳

3۔ عائشہ خان، جنوبی ایشیا میں روایتی منڈیاں خطر کے تحت ایک میراث، اسلام آباد: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹوریکل اسٹڈیز، ۲۰۱۹ء، ص ۱۱۳

4۔ احمد ریاض، جنوبی ایشیا میں ثقافتی زوال، ایک تاریخ تناظر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۹۷

5۔ کریم یاسر، پوسٹ نو آبادیاتی دنیا میں شہر کاری اور شناخت کا بحران، کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۲۱ء، ص ۱۴۶

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

6۔ اسمتھ جارج، بھولی ہوئی تہذیب کی آخری بازگشت، واشنگٹن ڈی سی، سموتھن انسٹی ٹیوشن، ۲۰۱۱ء، ص ۵۴

7۔ رابرٹ جانسن، صنعت کاری اور مقامی ورثے کا نقصان، بوسٹن: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۸ء، ص ۹۴

8۔ فریڈرک نطشے، اخلاقیات کے نسب پر، کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۸۸۷ء، ص ۲۰۱

9۔ سیمیں کرن، اک معدوم کہانی، ص ۱۸۹

10۔ آرنلڈ جے اے ٹوبنی، سٹڈی آف ہسٹری، آکسفورڈ: آکسفورڈ پریس، ۱۹۵۴ء، ص ۷۸

11۔ ناول "ایک معدوم کہانی" از سیمیں کرن: تجزیاتی مطالعہ : Analytical study of Seemen Kiran’s novel “Aik Madoom Kahani”. (2024). *Research Journal Tahqeeqat*, *3*(3), 177-185. https://tahqeeqat.com/index.php/Journal/article/view/111

12۔ اک معدوم کہانی http://urdublog.pk

References:

1. Seemin Kiran, *Ek Madoom Kahani* [A Vanished Tale], Lahore: Fiction House, 2023, p. 339.
2. Edward Said, *Orientalism*, New York: Pantheon Books, 1978, p. 23.
3. Ayesha Khan, *Traditional Markets in South Asia: A Heritage at Risk*, Islamabad: National Institute of Historical Studies, 2019, p. 113.
4. Ahmad Riaz, *Cultural Decline in South Asia: A Historical Perspective*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2020, p. 97.
5. Kareem Yasar, *Urbanization and Identity Crisis in the Postcolonial World*, Karachi: Oxford University Press, 2021, p. 146.
6. George Smith, *The Last Echo of a Forgotten Civilization*, Washington D.C.: Smithsonian Institution, 2011, p. 54.
7. Robert Johnson, *Industrialization and the Loss of Indigenous Heritage*, Boston: Cambridge University Press, 2018, p. 94.
8. Friedrich Nietzsche, *On the Genealogy of Morality*, Cambridge: Cambridge University Press, 1887, p. 201.
9. Seemin Kiran, *Ek Madoom Kahani*, p. 189.
10. Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Oxford: Oxford University Press, 1954, p. 78.
11. ناول "ایک معدوم کہانی" از سیمیں کرن : تجزیاتی مطالعہ: Analytical study of Seemen Kiran’s novel “Aik Madoom Kahani”. (2024). *Research Journal Tahqeeqat*, *3*(3), 177-185. https://tahqeeqat.com/index.php/Journal/article/view/111
12. *Ek Madoom Kahani*, http://urdublog.pk dated 10 jan 2025